DR. ABID RAZA BEDAR
KATRA, RAMPUR - 244901 (U.P.)

Date of Publication : 02-07-2015

PRICE Rs. 3/-

POSTED AT N.D.P.S.O, New Delhi-01
ON 03-04 JULY 2015, R.N.I No. 2166/57

POSTAL REGN. NO. DL (C) -01/1195/2015-17
Licensed to Post Without PrepaymentU (C) 160/2015-17

HAMARI ZABAN (WEEKLY)

ہفت روزہ

ہماری زبان

انجمن ترقی اردو (ہند) نئی دہلی

8-14 JULY 2015
Issue: 26. Vol.: 74

۸ تا ۱۴ جولائی ۲۰۱۵ء
شمارہ نمبر: ۲۶، جلد نمبر: ۷۴

مشرقی پنجاب میں اردو کی موجودہ صورت حال

(پہلی قسط)

سالک جمیل براڑ

مشرقی پنجاب میں اردو کی موجودہ صورت حال زیادہ اچھی نہیں ہے۔ اردو ادب کا گہوارہ مانے جانے والے اس خطے میں اس زبان کے ساتھ ایسا کیوں ہوا؟ اس کے اسباب و وجوہات کیا ہیں؟ ان سوالات کے جوابات کے لیے ہمیں 67 سال پیچھے کے اوراق پلٹنے ہوں گے۔ یعنی تقسیم وطن سے قبل اور بعد میں پیدا شدہ حالات سے اردو زبان و ادب کو درپیش مسائل کا احاطہ کرنا ضروری ہے۔

مشترکہ پنجاب کی حدود مغرب میں پشاور کی سرحد سے شروع ہو کر مشرق میں شملہ کے پہاڑی علاقوں تک، شمال میں جموں و کشمیر اور جنوب میں دہلی تک پھیلی ہوئی تھیں۔ لاہور نہ صرف پنجاب کا سیاسی دارالخلافہ تھا بلکہ شمالی ہند کا اہم ادبی اور ثقافتی مرکز تھا۔ ملک کے بیشتر اردو شعرا و ادبا لاہور میں سکونت پذیر تھے۔ اس دور میں پنجاب کا ذریعہ تعلیم اردو تھا۔ میٹرک میں طالب علموں کو تاریخ اور جغرافیہ کا امتحان اردو میں ہی دینا ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ یہاں کے بیشتر اخبار و جرائد بھی اردو میں ہی چھپتے تھے۔ سرکاری نظم و نسق کے کام اردو میں ہی کیے جاتے تھے۔ اس کا ثبوت آج بھی پنجاب کی عدالتوں میں فارسی اور اردو میں موجود قدیم ریکارڈ ہے۔

تقسیم وطن کے دردناک سانحہ کے بعد پنجاب تناسب کے اعتبار سے دو حصوں مشرقی پنجاب 32 فیصد اور مغربی پنجاب 68 فیصد میں بٹ گیا۔ زیادہ تر حصہ پاکستان میں شامل ہوگیا۔ چوں کہ پاکستان میں اردو کو سرکاری زبان کا درجہ ملا، جس کے نتیجہ میں ہندوستان میں اسے مسلمانوں کی زبان قرار دیا گیا۔ چوں کہ پنجاب باقی ہندوستان سے زیادہ تقسیم کا شکار ہوا تھا۔ لاکھوں بے گناہ لوگ موت کے گھاٹ اتار دیے گئے تھے جس کی وجہ سے مشرقی اور مغربی پنجاب کے باشندوں کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے نفرت تھی۔ پنجابیوں کی اس نفرت کا خمیازہ اردو کو بھگتنا پڑا۔ قابل ذکر ہے کہ پنجابی زبان اپنے شروعاتی دور میں شاہ مکھی رسم الخط میں لکھی جاتی تھی۔ مغربی پنجاب (پاکستان) میں آج بھی پنجابی شاہ مکھی یعنی فارسی رسم الخط میں لکھی جارہی ہے جب کہ مشرقی پنجاب میں پنجابی گورمکھی رسم الخط میں لکھی جانے لگی ہے۔ اس طرح دیکھا جائے تو آج بھی تقریباً گیارہ کروڑ لوگ پنجابی شاہ مکھی رسم الخط میں لکھتے ہیں جب کہ گورمکھی میں لکھنے والوں کی تعداد صرف تین کروڑ کے قریب ہے۔

1966 میں ایک بار پھر مشرقی پنجاب کو سیاسی اعتبار سے تقسیم کا شکار ہونا پڑا۔ مشرقی پنجاب سے زبان کی بنیاد پر ہریانہ اور ہماچل پردیش الگ کردیے گئے۔ لسانی بنیاد پر ریاستوں کی تقسیم کے نتیجے میں پنجابی پنجاب کی اور ہندی ہریانہ اور ہماچل پردیش کی سرکاری زبان بن گئی۔ اس تقسیم کے بعد مشرقی پنجاب 50.362 مربع کلو میٹر رقبے میں سمٹ کر رہ گیا اور اردو کو مشرقی پنجاب، ہریانہ اور ہماچل پردیش نے غالباً اپنے اسکولی نصاب سے خارج کردیا۔

1947 میں جہاں پورا پنجاب فرقہ وارانہ فسادات کی لپیٹ میں آیا، وہیں حسن اتفاق ضلع سنگرور کی مسلم ریاست مالیرکوٹلہ اس آگ سے بالکل محفوظ رہی اور آج بھی تاریخی و ریاستی شہر مالیرکوٹلہ کی سرزمین تقسیم سے پہلے کے مشترکہ پنجاب کی جھلک نظر آتی ہے جہاں آج بھی ہندو، مسلم اور سکھ بھی بھائیوں کی طرح مل جل کر رہتے ہیں۔ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ آج مشرقی پنجاب میں اردو کی شمع اسی مالیرکوٹلہ کی وجہ سے روشن ہے۔

اکیسویں صدی میں اگر مشرقی پنجاب میں اردو کے حوالے سے بات کی جائے تو مالیرکوٹلہ مشرقی پنجاب کا واحد ایسا شہر ہے جہاں اردو اسکولوں اور کالجوں میں پڑھائی جارہی ہے۔ اس شہر میں اردو کی نسل در نسل کا سلسلہ جاری و ساری ہے۔ یوں تو مالیرکوٹلہ کے تقریباً سبھی اسکولوں میں اردو پڑھائی جاتی ہے لیکن اسلامیہ سینئر سیکنڈری اسکول، مالیرکوٹلہ کی اردو کے فروغ کے لیے کی گئی کوششوں کو کبھی بھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ 24 اکتوبر 1924 کو وجود میں آیا اسلامیہ سینئر سیکنڈری اسکول تقسیم کے بعد مشرقی پنجاب کا واحد اردو میڈیم اسکول کے طور پر ابھر کر سامنے آیا۔ 1990 تک اس ادارے کا ذریعہ تعلیم اردو رہا لیکن اس کے بعد اردو کتابوں کی عدم دستیابی اور دیگر مسائل کی بنا پر یہ اسکول اردو میڈیم کی جگہ پنجابی میڈیم بن گیا اور اردو کو بطور دوسری زبان پڑھایا جانے لگا۔ مالیرکوٹلہ کے دوسرے اسکول جہاں پر اردو دوسری زبان یا Optional کے طور پر پڑھائی جاتی ہے ان میں اسلامیہ کمبوج ہائی اسکول، الفلاح پبلک اسکول، اسلامیہ گرلز سینئر سیکنڈری اسکول، اسلامیہ ہائی اسکول محلہ رحمت گڑھ، اہل حدیث اسکول، مسلم ماڈل اسکول بھسی، گورنمنٹ گرلز اسکول، گورنمنٹ بوائز اسکول، سرکاری اسکول جمالپورہ، آل مائی انٹرنیشنل اسکول اور آل مائی پبلک اسکول جمالپورہ وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے اسکول ہیں جہاں پر اردو پڑھائی جارہی ہے۔ ہمارا مقصد یہاں پر فہرست سازی نہیں ہے۔ ان اسکولوں میں اردو بطور مضمون پہلی کلاس سے لے کر دسویں یا بارھویں تک پڑھائی جارہی ہے۔ اس کے ساتھ ہی مالیرکوٹلہ کے دیہاتوں میں واقع سرکاری اسکولوں اور مدرسوں میں اردو پڑھانے کا خاص اہتمام ہے۔ اس صدی کے آغاز میں محبانِ اردو کی کوششیں رنگ لائیں اور 2004 میں پنجاب کی کانگریس سرکار کی جانب سے 15 اردو پوسٹیں نکالی گئیں جن میں سے تقریباً 10 اردو ٹیچرز کا تقرر ہوا۔ آزادی کے بعد مشرقی پنجاب میں پہلی بار سرکار کی طرف سے اردو ٹیچر بھرتی کیے گئے۔ اسی طرح 2011 میں سرو شکشا ابھیان کی طرف سے 40 اردو ٹیچر بھرتی کیے گئے۔ ان اردو ٹیچرز کی بدولت آج مالیرکوٹلہ اور اس کے اطراف کے قصبوں اور دیہاتوں میں واقع سرکاری اسکولوں میں اردو پڑھائی جارہی ہے۔

مالیرکوٹلہ میں اسکولوں سے لے کر کالج تک اردو تعلیم کا انتظام ہے۔ گورنمنٹ کالج مالیرکوٹلہ، آر۔ ڈی۔ جین کالج مالیرکوٹلہ اور اسلامیہ گرلز کالج مالیرکوٹلہ میں بی۔اے۔ میں اردو مضمون کے طور پر پڑھائی جارہی ہے۔ اس کے علاوہ گورنمنٹ کالج مالیرکوٹلہ میں اردو میں ایم۔اے، بی۔اے آنرز، اردو جرنلزم و ترجمہ نگاری ایڈ آن کورس مضمون کے طور پر پڑھائے جاتے ہیں۔ گورنمنٹ کالج آف ایجوکیشن مالیرکوٹلہ میں بی۔ایڈ کی کلاسیز میں اردو بطور مضمون پڑھانے کا انتظام ہے۔

(باقی آئندہ)

W-14/594، براڑ اسٹریٹ
حضرت شیخ روڈ، مالیر
مالیرکوٹلہ-148023 (پنجاب)

اقبال اور عظمتِ آدم

قاضی عبید الرحمن ہاشمی

اقبال کی فکری، تصوراتی کائنات کا مرکزی حوالہ صحیح معنوں میں انسان ہی ہے، بقیہ ان کے دیگر تصورات خودی، عشق اور زمان و مکاں وغیرہ اسی بنیادی محور کے تابع رہ کر اپنا کوئی مفہوم، جواز یا معنویت حاصل کر پاتے ہیں، ان کی حیثیت اقبال کے نزدیک ان لازمانی اقدار کی ہے جن پر عمل پیرا ہو کر انسان روحانی و اخلاقی ارتقا کے بلند بام تک پہنچنے کے لیے مدارج طے کرتا ہے اور ذات باری تعالیٰ جو اسمِ "مطلق" ہے، اس سے قریب تر ہو جاتا ہے۔

فلسفے اور ادیان کی تاریخ میں مثالی تصور انسان، اس سے وابستہ تعبیرات اور اس کی شناخت کے بنیادی عناصر کا تذکرہ زمانہ قدیم سے چلا آرہا ہے، چناں چہ ہندومت، بدھ مت، عیسائیت، اسلامی تصوف اور حد یہ ہے کہ مارکسی فکر تک میں انسان کا Cult بنانے کی کوشش ایک محبوب مشغلہ رہی ہے۔ اس ضمن میں اسکیلی کا انسان کامل، نطشے کا فوق البشر، کیٹس کا فاؤسٹ، والٹ وہٹ مین کا Divine Average وہ تخیلاتی کردار ہیں جن کو متشکل کرنے اور مادی کائنات میں رو بہ عمل لانے کے لیے زمانہ دراز سے کوشش ہوتی چلی آرہی ہے، تاہم ایک نیم ماورائی تصور سے قطع نظر خدا کی ہستی کے بالمقابل انسانی وجود، اس کی انفرادی ہستی اور ماہیت کا ادراک اور تخلیقی نظامات کا جیسا پیرو اور رزمیہ اقبال کی شاعری میں دیکھنے کو ملتا ہے، وہ نہ صرف مشرق بلکہ مغرب میں مسلک انسانیت کی مسیحی اور غیر مسیحی تحریکات کے زیر اثر کی گئی شاعری میں بھی خال خال ہی نظر آتا ہے۔ سچ یہ ہے کہ جس قدر تسلسل اور ارتکاز کے ساتھ اس کا اہتمام اقبال کی شاعری میں نظر آتا ہے، اُس سے تکریم آدم کا ایک نیا تصور سامنے آتا ہے۔ تاہم اس میں کوئی شک نہیں کہ اقبال کو بھی بنیادی طور پر تحریک (Inspiration) انھی ماخذوں سے ملی، جن کی جانب اشارہ کیا گیا ہے، خصوصاً مولانا جلال الدین رومیؒ کی گہری مابعد الطبیعیاتی فکر اور وجدان جو ہمیشہ ہی اقبال کا سرچشمۂ فیضان رہے ہیں۔

فارسی، اردو کی ادبی و شعری روایت میں بالعموم انسان کے بارے میں فلسفیانہ خیال آرائی کا قدیم ترین تصور جو بے حد مقبول اور تقریباً انسانی ایقان کا جزو رہا ہے، وہ یقیناً یکسر سلبی، جامد اور قنوطی معنویت کا حامل رہا ہے جس میں انسانی وجود اور حشرات الارض کے مابین فرق و امتیاز کو کم ہی ملحوظ خاطر رکھا گیا ہے، البتہ اس پراگندہ خیالی کے بالمقابل ایک استثنائی مثال مرزا غالب کی ضرور ہے، جن کی فکر غیر منضبط ہونے کے باوجود انسانی ہستی کا مکمل احترام و اثبات کرتی ہے۔ غالب کے تخیل کی رفعت اور بلندی کا اعتراف خود اقبال نے بھی کیا ہے۔ غالب کی خود پرستی اور خودنگری نے انھیں اپنی ذات کے حصار سے باہر کم ہی نکلنے دیا، تاہم یہ واقعہ ہے کہ ان کے تخیل کی دنیا میں بشر کا مقام بہت ارفع ہے، چناں چہ وہ خود اپنی ذات کے حوالے سے کہتے ہیں:

> فارسی، اردو کی ادبی وشعری روایت میں بالعموم انسان کے بارے میں فلسفیانہ خیال آرائی کا قدیم ترین تصور جو بے حد مقبول اور تقریباً انسانی ایقان کا جزو رہا ہے، وہ یقیناً یکسر سلبی، جامد اور قنوطی معنویت کا حامل رہا ہے جس میں انسانی وجود اور حشرات الارض کے مابین فرق و امتیاز کو کم ہی ملحوظ خاطر رکھا گیا ہے، البتہ اس پراگندہ خیالی کے بالمقابل ایک استثنائی مثال مرزا غالب کی ضرور ہے، جن کی فکر غیر منضبط ہونے کے باوجود انسانی ہستی کا مکمل احترام واثبات کرتی ہے۔

یارب زمانہ مجھ کو مٹاتا ہے کس لیے
لوحِ جہاں پہ حرفِ مکرر نہیں ہوں میں

وحشت پہ میری عرصۂ آفاق تنگ تھا
دریا زمین کو عرقِ انفعال ہے

منظر اک بلندی پر اور ہم بنا سکتے
عرش سے اُدھر ہوتا کاش کہ مکاں اپنا

مغربی و مشرقی ذہانت اور دانشوری جس میں اسلامی میراث بھی لازمی طور پر شامل ہے، ان سے ماخوذ یہ وہ تابندگی ہے جس سے اقبال کے فکر و احساس کو تنویر حاصل ہوتی رہی ہے، جس کی طرف وحید اختر نے بڑی خوبی سے اشارہ کیا ہے۔ وہ اقبال کی مذہبی فکر کے تناظر میں فرماتے ہیں:

"اقبال جب اسلام کی بات کرتے ہیں تو وہ ایک مذہب کے اصول و عقائد کی بات نہیں رہتی، بلکہ ہمہ گیر روحانی تجربے اور مذہبی حسیت کی تشکیل نو بن جاتی ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ان کے فانوس میں مغرب و مشرق کے اتنے چراغوں کی لویں گردش کرتی نظر نہ آتیں۔"

اس قدر وسیع فکری و نظریاتی پس منظر میں جب ہم اقبال کے تصور انسان کو ان کی شاعری کے حوالے سے دیکھتے ہیں تو وہاں بھی ان کی فکر میں ایک استواری اور حکیمانہ تدبر کا سراغ ملتا ہے جس کے ارتعاشات ان کی تخلیقات میں ابتدا سے ہی نظر آنے لگتے ہیں۔

اس فکر کے ابتدائی نقوش 'بانگ درا' میں جس طرح نظر آتے ہیں، لگتا ہے ابھی عظمت آدم کا یہ تصور کسی مخصوص فکری نظام، زاویے، نظر یا نظریے سے رنگین نہیں ہوا ہے۔ اس غیر مشروط صورت میں بھی جب کہ یہ انسان ہر سہارے سے بے نیاز ہے، کس طرح کائنات کی مزاحم قوتوں سے نبرد آزما ہے اور اپنی ہستی کا اثبات کرتا ہے، اقبال کی زبان سے ملاحظہ کیجیے۔ فرماتے ہیں:

اس ذرے کو رہتی ہے وسعت کی ہوس ہر دم
یہ ذرہ نہیں شاید سمٹا ہوا صحرا ہے
چاہے تو بدل ڈالے ہیئت چمنستاں کی
یہ ہستی، دانا ہے، بینا ہے، توانا ہے

'بانگ درا' میں فکر اقبال کا وہ زاویہ بھی موجود ہے جس پر ان کے مخصوص نظریے کی چھاپ حیران کن حد تک گہری ہے۔ حیرت یوں کہ ان کی منضبط فلسفیانہ فکر اور شرف شاہی کا عروج تو صحیح معنوں میں 'بال جبریل' میں دیکھنے کو ملتا ہے، جہاں بیک وقت دونوں مناظر نظروں کو پابند حجاب کرتے ہیں، یعنی کسی دیدہ، نادیدہ صلہ وستائش کی تمنا سے سرشار اولوالعزم وجود بھی اور جزا وسزا کے تصور سے یکسر ماورا وہ مرد خود آگاہ بھی جو وقت کی چٹان اپنے کاندھے پر اٹھائے انجانی راہوں پر جادہ پیما ہے۔ ان دونوں کے توسط سے رنگ نظر کے خفیف اور ادنیٰ سے فرق کے باوجود عظمت آدم کی جو متحرک تصاویر خیالی شعر کے عقب سے ابھرتی ہیں، وہ واقعی بے حد دلنواز ہیں۔

'بانگ درا' سے ماخوذ شعر میں نامیاتی ابھری ابھی اپنے تاریخی و تہذیبی تناظر سے قطع نظر شاعرانہ تخیل کی درفشانی سے کس طرح تابدار ہو گیا ہے، دیکھیے اور لطف اندوز ہونے کے قابل ہے، ملاحظہ فرمائیں:

جہاں میں اہل ایماں صورت خورشید جیتے ہیں
اِدھر ڈوبے اُدھر نکلے، اُدھر ڈوبے اِدھر نکلے

اقبال جو بنیادی طور پر ایک اعلا درجے کے تخلیقی فنکار ہیں، خیال و خواب کی وادیوں میں جب بھی محو پرواز ہوتے ہیں تو تخیل و تصور کی سطح پر ہمیشہ کچھ نئے حقائق کا انکشاف کرتے ہیں۔ ان کی بتدریج ارتقا پذیر فکر، بالخصوص 'میلاد آدم' میں جس طرح نئے انسان کی آمد کا خیر مقدم کرتی ہے، اس کی اقبال سے قبل کوئی دوسری مثال ہمارے شعری سرمائے میں کم ہی دیکھنے کو ملتی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

نعرہ زد عشق کہ خونیں جگرے پیدا شد
حسن لرزید کہ صاحب نظرے پیدا شد
فطرت آشفت کہ از خاک جہان مجبور
خود گرے، خود شکنے، خود نگرے پیدا شد

پہلے شعر کے تمام علائم ہماری معروف روایت عشق سے گہرا سروکار رکھنے کے سبب بھی ہمیں ایک نئی لذت سے ہمکنار کرتے ہیں، خصوصاً اس لیے بھی کہ اقبال رسم عاشقی کے جھمیلوں سے بس واجبی سا ہی سروکار رکھتے ہیں۔

اسی آزادانہ فکری روایت کے تسلسل میں اقبال کی نظم 'روح ارضی آدم کا استقبال کرتی ہے' کو بھی دیکھا جاسکتا ہے، جس کا ہر شعر ایک تراشے ہوئے ہشت پہلو ہیرے کی مانند ہے۔ اقبال کی معجز نمائی کی شناخت اس نظم کے ذریعے انسان کی عظمت، سرفرازی اور شوکت کا اعتراف جس قدر فراخ دلی، خلوص اور گرم جوشی سے کیا گیا ہے، اس کی بھی مثال ملنی محال ہے۔ مخمس کے صرف تین بند ملاحظہ فرمائیں:

کھول آنکھ زمیں دیکھ، فلک دیکھ، فضا دیکھ
مشرق سے ابھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ
اس جلوۂ بے پردہ کو پردوں میں چھپا دیکھ
ایام جدائی کے ستم دیکھ، جفا دیکھ
بے تاب نہ ہو معرکۂ بیم و رجا دیکھ

ہیں تیرے تصرف میں یہ بادل، یہ گھٹائیں
یہ گنبد افلاک، یہ خاموش فضائیں
یہ کوہ یہ صحرا، یہ سمندر یہ ہوائیں
تھیں پیش نظر کل تو فرشتوں کی ادائیں
آئینۂ ایام میں آج اپنی ادا دیکھ

خورشید جہاں تاب کی ضو تیرے شرر میں
آباد ہے اک تازہ جہاں تیرے ہنر میں
جچتے نہیں بخشے ہوئے فردوس، نظر میں
جنت تری پنہاں ہے ترے خون جگر میں
اے پیکر گل، کوشش پیہم کی جزا دیکھ

'آدم' کی نسبت سے چلی آرہی مذکورہ روایت مبارزت طلبی کی توسیع اقبال کی معروف نظم 'فرشتے آدم کو رخصت کرتے ہیں' میں بھی ہوئی ہے، جس کا ہر شعر انسانی عظمت، بلندی اور حریت کا نشان امتیاز بن گیا ہے، صرف دو شعر ملاحظہ فرمائیں:

عطا ہوئی ہے تجھے روز و شب کی بے تابی
خبر نہیں کہ تو خاکی ہے یا کہ سیمابی
سنا ہے خاک سے تیری نمود ہے، لیکن
تری سرشت میں ہے کوکبی و مہتابی

ایک ذرۂ بے مقدار کی سرشت میں کوکبی و مہتابی کے اوصاف، کس طرح ہویدا ہوسکتے ہیں، شاعرانہ وجدان اس کا ادراک کرنے پر قادر ہے، دائمی خلش اور دولت اضطراب دے کر خاکی وجود کو وہ سب کچھ دے دیا گیا، جس کے تحمل مقرب بارگاہ فرشتے بھی نہیں ہوسکتے تھے جو خلد بریں سے آدم کو رخصت کرنے پر مامور کیے گئے تھے۔

اقبال کی شاعری جو اخلاقی اور روحانی اقدار کا بیش بہا خزینہ ہے اور انسان جو اس شعری کائنات کی شناخت کا بنیادی وسیلہ ہے، اس کے برگزیدہ نقوش اس تخلیقی کائنات کے ذرہ ذرہ میں مرتسم نظر آتے ہیں، اسے نہ صرف اپنی عظمت کا گہرا شعور و احساس ہے بلکہ وہ خالق کائنات کے بالمقابل خود کو بھی ایک فعال اور معنی خیز تخلیقی قوت تصور کرتا ہے۔ اس کے افق کے تیور اور مزاجی کیفیات کی ترجمانی خود اقبال کی زبانی اُن کے ان اشعار میں ملاحظہ فرمائیں:

تو شب آفریدی، چراغ آفریدم
سفال آفریدی، ایاغ آفریدم
بیابان و کہسار و راغ آفریدی
خیابان و گلزار و باغ آفریدم
من آنم کہ از سنگ آئینہ سازم
من آنم کہ از زہر نوشینہ سازم

یہ وہ ارضی اور کائناتی واردات و حقائق ہیں جن سے اختلاف کی گنجائش نہیں ہوسکتی اور یہ بھی ایک بدیہی حقیقت ہے کہ یہ کائنات جو اپنی اوّلین صورت میں حد درجہ کریہہ المنظر اور ہیبت ناک تھی، اس کو کوشش پیہم اور تخلیقی تگ و تاز کے ذریعے مسخر کرنے، فطرت کے عناصر پر تصرف حاصل کرنے، ستاروں پر کمندیں ڈالنے اور علم و حکمت کے ذریعے زیر زمیں پوشیدہ مادّی ذخائر کو دریافت کرنے کا فریضہ اہل ہمت نے سرانجام دیا، جن کا شناخت نامہ یقیناً کسی خاص مذہبی، نسلی، خاندانی یا جغرافیائی حوالے سے ترتیب نہیں دیا جاسکتا۔

اقبال کی تخلیقی فکر میں تمام تر حسن، دلربائی اور کشش اُسی کشمکش اور رزم آرائی کی رہین منت ہے جو خالق کائنات اور جذبۂ یکسانی سے سرشار مخلوق کے مابین پرجوش مکالمہ (Spirited Dialogue) کے ذریعے وجود میں لائی گئی ہے۔ فنی ہنرمندی کا یہ وہ کرشمہ ہے جو اقبال کی شاعری کو ایک آفاقی کردار فراہم کرتا ہے، اس تناظر میں اقبال کی غزل سے ماخوذ چند شعر ملاحظہ کیے جاسکتے ہیں:

میری نوائے شوق سے شور حریم ذات میں
غلغلہ ہائے الاماں بتکدۂ صفات میں
حور و فرشتہ ہیں اسیر میرے تخیلات میں
میری نگاہ سے خلل تیری تجلیات میں
گرچہ ہے میری جستجو دیر و حرم کی نقش بند
میری فغاں سے رستخیز کعبہ و سومنات میں

یہاں بھی شاعر کا آمیزۂ تخیل مطمح نظر کے جبر سے گراں بار ہونے کے بجائے روایتی علائم حرم و بت کدہ، حور و فرشتہ اور کعبہ و سومنات میں ربط و اتصال کے ذریعے نسبتاً فراخ سرزمین پر مجلس آرائی کا خواہاں ہے۔ چناں چہ یہاں جس انسان کی جرأت گفتار اور آواز پورے منظرنامہ سے ابھرتی نظر آتی ہے، وہ اپنی واضح مذہبی شناخت کے باوجود بھی کسی ذہنی یا روحانی آشوب میں مبتلا نہیں ہے۔

انسانی تقدس اور عظمت و شوکت کے اس تصور کی سہانی دھوپ چھاؤں اقبال کی بیشتر شعری کائنات پر محیط ہے، اس کی کچھ مزید مثالیں دیکھی جاسکتی ہیں:

عروج آدم خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں
کہ یہ ٹوٹا ہوا تارا مہ کامل نہ بن جائے
عروج آدم خاکی کے منتظر ہیں تمام
یہ کہکشاں، یہ ستارے، یہ نیلگوں افلاک
مرے خاک و خوں سے تو نے یہ جہاں کیا ہے پیدا
صلۂ شہید کیا ہے، تب و تاب جاودانہ
خاکی ہے مگر اس کے انداز ہیں افلاکی
رومی ہے نہ شامی ہے، کاشی نہ سمرقندی
ہے گرمی آدم سے ہنگامۂ عالم گرم
سورج بھی تماشائی، تارے بھی تماشائی
اگر مقصود کل میں ہوں، تو مجھ سے ماورا کیا ہے
مرے ہنگامہ ہائے نو بہ نو کی انتہا کیا ہے

سخت مزاحم قوتوں اور روح فرسا تاریخی، تہذیبی اور جغرافیائی حالات میں کائنات کے سنگ بستہ وجود پر اجتماعی سعی اور مسلسل ایثار کے ذریعے جس طرح انسان نے اپنے دستخط ثبت کیے ہیں، وہ یقیناً ایک عظیم کامرانی ہے جس کا جشن شاعر نے بڑے تزک و احتشام سے منایا ہے۔

تاہم اقبال چونکہ ایک متصوفانہ مزاج، واضح مذہبی و روحانی تشخص اور فلسفیانہ ذہن رکھتے ہیں، اقدار کی سطح پر ان کی نگاہ جس مرکز پر بار بار ٹھہرتی ہے، وہ یقیناً مرد مسلماں ہے۔ اسے ہم ان کی باطن پرستی یا روحانی فطرت کہہ کر نظرانداز نہیں کرسکتے، چنانچہ اس تعلق سے ان کے جو بھی محسوسات ہیں، وہ ان کے گہرے ایقان اور وجودی تجربات کا ناگزیر حصہ ہیں، لہٰذا اس کا امکان تو یقیناً ہوسکتا ہے کہ ایک خاص لمحاتی کیفیت میں کہے گئے ان کے بعض دعووں کو مادّی سطح پر رد کیا جائے، لیکن تخلیقی سطح پر ان کی صحت، معقولیت اور صلابت کو قطعاً چیلنج نہیں کیا جاسکتا۔

اس تناظر میں جب ہم اقبال کے بعض اشعار پر نظر ڈالتے ہیں تو ان کی تخلیقی تاب و تپش اکثر اپنے عروج پر نظر آتی ہے اور اندازہ ہوتا ہے کہ کسی نظر یا نظریے سے قرب و بعد کے کیا محرکات ہوسکتے ہیں اور استقامت کے ساتھ رخ نظر کو مرکز جاں بنانے کے کیا فوائد ہوسکتے ہیں، اقبال کا مثالی انسان مسلسل ریاضتوں کے ذریعے رب السموات سے خصوصی تقرب اور معرفت کے باعث اس کائنات کا وارث اور بہتر رمز شناس ہے۔ وہ اپنی ذاتی منفرد صفات کم سخنی، کم آمیزی، جدت فکر و نظر، پاک کردار، بلند نگہی اور گداز قلب کے باعث مشترک دردمندانہ انسانیت کا کہیں زیادہ بہتر پارکھ اور نبض شناس ہے۔

اقبال کا ذہن مرد مسلماں کے اکتسابات کی جستجو میں ماضی کی یادوں کے دھندلکوں میں اکثر محو پرواز رہتا ہے۔ ایک درخشاں تہذیب و ثقافت کے منبر و محراب کو تخیل کے جھروکوں سے دیکھ کر لطف و لذت اور روحانی اہتزاز سے وہ وجود کی پوری قوت کے ساتھ رقص کناں ہوجاتا ہے۔ اس ضمن میں اقبال کے چند اشعار ملاحظہ کیے جاسکتے ہیں:

مرد خدا کا عمل، عشق سے صاحب فروغ
عشق ہے اصل حیات، موت ہے اس پر حرام

خاکی و نوری نہاد، بندۂ مولا صفات
ہر دو جہاں سے غنی، اس کا دل بے نیاز

بتاؤں تجھ کو مسلماں کی زندگی کیا ہے
یہ ہے نہایت اندیشہ و کمال جنوں
نہ اس میں عصر رواں کی حیا سے بیزاری
نہ اس میں عہد کہن کا فسانہ و افسوں

عناصر اس کے ہیں روح القدس کا ذوق جمال
عجم کا حسن طبیعت، عرب کا سوز دروں

قہاری و غفاری و قدوسی و جبروت
یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان

ہمسایۂ جبریل امیں بندۂ خاکی
ہے اس کا نشیمن نہ بخارا نہ بدخشاں

اس کی امیدیں قلیل، اس کے مقاصد جلیل
اس کی ادا دل فریب، اس کی نگہ دل نواز

نرم دم گفتگو، گرم دم جستجو
رزم ہو یا بزم ہو، پاک دل و پاکباز

ہے مگر اس نقش میں رنگ ثبات دوام
جس کو کیا ہو کسی مرد خدا نے تمام

ان اشعار کے توسط سے مرد مسلماں کے تعارف میں اس کی کرداری خصوصیات اور داخلی زندگی کے در و بام پر خاصی روشنی پڑتی ہے۔ وہ امتیازی اوصاف و عناصر جن کے متناسب امتزاج سے اسلامی شخصیت کی تعمیر و تشکیل ہوتی ہے۔ 'قہاری و غفاری و قدوسی و جبروت' میں سے کسی ایک کی بھی غیر موجودگی میں شخصیت کا تار و پود بکھر سکتا ہے، ایسا سخت مطالبہ ہے جو یقیناً بآسانی پورا ہونے والا نہیں ہے، تاہم ایسا چیلنج ہے جس کو قبول کیے بغیر مرد مسلماں ہونے کی فضیلت اور توقیر بھی نہیں حاصل کی جاسکتی۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اقبال کے نظام افکار میں عظمت آدم کا کیا مفہوم ہے اور اس مقام تک پہنچنے کے لیے کتنے پل صراط سے گزرنا پڑتا ہے۔

سابق صدر شعبۂ اردو، جامعہ ملیہ اسلامیہ
جامعہ نگر، نئی دہلی-110025

> اقبال جو بنیادی طور پر ایک اعلا درجہ کے تخلیقی فنکار ہیں، خیال و خواب کی وادیوں میں جب بھی خیمہ زن ہوتے ہیں تو تخیل و تصور کی سطح پر ہمیشہ کچھ نئے حقائق کا انکشاف کرتے ہیں۔ ان کی بتدریج ارتقاپذیر فکر، نظم 'میلاد آدم' میں جس طرح نئے انسان کی آمد کا خیر مقدم کرتی ہے اس کی اقبال سے قبل کوئی دوسری مثال ہمارے شعری سرمائے میں کم ہی دیکھنے کو ملتی ہے۔

اردو دنیا

320 اردو طلبہ کے لیے محض ایک ٹیچر

دہلی سرکار کے اسکولوں میں 68000 اردو طلبہ

اساتذہ کی تعداد محض 213، ان میں بھی 102 اردو اکادمی کے ہیں

نئی دہلی (21 جون)۔ دہلی کے سرکاری اسکولوں میں اردو میڈیم اور اردو سبجیکٹ کے طلبہ کے ساتھ دہلی سرکار کا محکمہ تعلیم برسوں سے کھلواڑ کر رہا ہے۔ 20 سال میں اردو اساتذہ کے نام پر محض 10 اساتذہ کی تقرری کی گئی ہے، وہ بھی اسی سال عمل میں آئی ہے۔ اردو اساتذہ کی اسامی کے لیے درخواست دینے والے امیدواروں کا امتحان کس نے لیا اور کس بنیاد پر انھیں فیل کر دیا گیا، نئی سرکار سے اس معاملے میں انکوائری کا مطالبہ بھی کیا جا رہا ہے۔ قابل ذکر بات ہے کہ دہلی سرکار کے ایجوکیشن ڈائرکٹوریٹ میں اردو کے 68000 طلبہ رجسٹرڈ ہیں، جو سرکاری اسکولوں میں زیر تعلیم ہیں جب کہ ان کو پڑھانے کے لیے محض 213 اساتذہ ہی موجود ہیں یعنی تقریباً 320 طلبہ پر ایک ٹیچر۔ اس پر بھی ستم یہ کہ ان 213 میں سے بھی 102 اساتذہ وہ ہیں جن کا تقرر اردو اکادمی دہلی کی جانب سے کیا گیا ہے اور انھیں دہلی سرکار کے محکمہ تعلیم کے ذریعے تقرری پانے والے اساتذہ کے مساوی نہ تو تنخواہ ملتی ہے اور نہ ہی اور کوئی بھی دیگر مراعات۔ لہٰذا ایسے بہت سے اساتذہ کا تو مستقبل ہی تاریک ہو گیا۔ باقی بچے 111 اساتذہ میں سے 77 کی تقرری ہی ڈی ایس ایس ایس بی کی معرفت ہوئی ہے۔ ان میں وہ 10 اساتذہ بھی شامل ہیں جن کی تقرری اسی سال ہوئی ہے۔ باقی اساتذہ کنٹریکٹ پر اور گیسٹ ٹیچر ہیں۔ واضح ہو کہ شیلا دکشت کی قیادت والی دہلی سرکار کے وقت میں ڈی ایس ایس ایس بی کو اردو اساتذہ کے تقرری کی ہدایت دی گئی تھی لیکن اس کے کچھ دن بعد ہی الیکشن کا اعلان ہو جانے سے ضابطہ اخلاق کے سبب اس پر عمل نہیں ہوا۔ جب الیکشن کے بعد اس ایشو کو اٹھایا گیا تو محکمہ تعلیم کے افسران نے کہا کہ اردو اساتذہ کے تقرر کے آر آر ہی نہیں ہیں۔ اردو اکادمی نے آر آر بھی بنا کر دے دیے لیکن محکمہ تعلیم کا رویہ برقرار ہے اور اسامیاں خالی ہونے کے باوجود وہ ڈی ایس ایس ایس بی کے ذریعے اردو اساتذہ کی تقرری میں کوئی دل چسپی نہیں لے رہا ہے۔ انتہا ہی تھی، جب دہلی ہائی کورٹ نے ایک معاملے کی سماعت کرتے ہوئے کچھ نئے اسکولوں میں بھی اردو شروع کرنے کی ہدایت دی تو محکمہ تعلیم نے وہاں اردو شروع کرنے کا اعلان تو کر دیا لیکن ان کے لیے نئے اساتذہ کے تقرر کے بجائے دوسرے اسکولوں سے اساتذہ کا تقرر نئے اسکولوں میں کر دیا اور عدالت کو بھی گمراہ کرتے ہوئے جواب داخل کیا کہ ہم نے نئے اسکولوں میں اردو کے اساتذہ مہیا کرا دیے ہیں، یعنی اس بات کو سمجھا لیا کہ پہلے سے ہی اردو اساتذہ کی کمی کا شکار اسکولوں میں اردو اساتذہ کی کمی اور کم کر دی ہے۔ اسے محکمہ تعلیم کے افسران کی اردو کے تئیں تعصب اور دشمنی نہیں کہی جائے تو اور کیا کہا جائے گا۔ ایسے میں وزیر اعلا اروند کیجریوال کی اس یقین دہانی نے نئی امید پیدا کی ہے کہ جلد ہی سرکاری اسکولوں میں اردو زبان کے ٹیچر کا تقرر کیا جائے گا۔

(راشٹریہ سہارا، دہلی)

نظام آباد کے اردو مدارس میں ٹیچرس کی تقرری کا مطالبہ

نظام آباد، تلنگانہ (11 جون)۔ آل انڈیا آئیڈیل ٹیچرس ایسوسی ایشن نظام آباد یونٹ کے صدر جناب محمد اسحاق حسین نے اپنے ایک صحافتی بیان میں اردو میڈیم اسکولوں میں اساتذہ کی تقرری کا مطالبہ کیا۔ انھوں نے کہا کہ نئے تعلیمی سال کا آغاز ہونے والا ہے لیکن افسوس کہ آج بھی کئی ہائی اسکولس ایسے ہیں جہاں مضمون واری اساتذہ نہیں ہیں، جس کا راست اثر ایس ایس سی کے نتائج پر پڑ رہا ہے۔ نصاب بھی تبدیل ہو کر ایک سال کا عرصہ گزر گیا، امتحانی صورت پرچہ سوالات بھی تبدیل ہو گیا ہے۔ سائنس اور ریاضی جیسے اہم مضامین کے مستقل ٹیچرس نہیں ہیں۔ ضلع پریشد ہائی اسکول کنگیر میں 25 سال سے مضمون سماجی علم کا مستقل ٹیچر نہیں ہے۔ ضلع پریشد ہائی اسکول مالکور، پوگٹ، درپلی، رنجل، پیٹھ، اوت پلی، کمٹہ اکرگی میں فزیکل سائنس جیسا اہم مضمون پڑھانے کے لیے مستقل ٹیچر نہیں ہے۔ ان کے علاوہ بھی کئی پرائمری اسکولس ایسے ہیں جہاں ایک بھی ٹیچر نہیں ہے۔ جون کے مہینے میں داخلے ہوتے ہیں اگر ٹیچر ہی نہ ہوں تو بچوں کے داخلے کس طرح ہوں گے۔

(رہنمائے دکن، حیدرآباد)

بیلور مٹھ کا سائن بورڈ اردو میں لکھوانے کا مطالبہ

ہوڑہ، مغربی بنگال (9 جون)۔ بیلور رام کرشنا مشن، بیلور مٹھ کا سائن بورڈ اردو زبان میں ہو۔ اس سلسلے میں ایک وفد نے بیلور مٹھ کے ایڈمنسٹریٹر (تعمیراتی شعبہ) کے ہیڈ سوامی ادجل جی مہاراج سے ملاقات کی۔ وفد کی قیادت کر رہے بالی میونسپلٹی کے اپوزیشن لیڈر ریاض احمد نے بتایا کہ برسوں سے بیلور مٹھ کا نام اردو زبان میں لکھا ہوا تھا مگر نئے گیٹ کی تعمیر کے بعد بنگلہ، انگریزی اور ہندی زبان میں تو بورڈ ہے مگر اردو زبان غائب ہے۔ بیلور مٹھ دنیا میں پھیلے ہوئے تمام رام کرشن مشن کا ہیڈ کوارٹر ہے۔ یہ ایک بین الاقوامی مقام ہے، اس لیے دیگر زبانوں کے ساتھ یہاں اردو کو بھی اس کا مقام ملے۔ انھوں نے مزید کہا کہ بالی میونسپل حلقے میں اردو کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ حاصل ہے۔ اس سلسلے میں بیلور مٹھ کے مہاراج کو ایک خط بھی دیا گیا ہے لیکن اب عمل کی ضرورت ہے۔ ادجل جی مہاراج نے یقین دلایا کہ جلد از جلد بیلور مٹھ کا نام دوبارہ اردو میں لکھوا دیا جائے گا۔ انھوں نے مزید کہا کہ دو عدد چیک پوسٹ کی تعمیر ہونے والی ہے وہاں بھی اردو میں لکھا ہوا ہوگا۔ وفد میں ہوڑہ میونسپل کارپوریشن کے سابق کونسلر الحاج محمد سلیم، مولانا عارف حسین مصباحی اور لال محمد دانش شامل تھے۔ (اخبار مشرق، کلکتہ)

اردو اساتذہ کی تقرری کا معاملہ

خالی اسامیوں کو پُر کرنے کا عمل شروع کیا جائے

نئی دہلی (16 جون)۔ دہلی سرکار کے اسکولوں میں گرمیوں کی تعطیلات ختم ہونے میں اب کچھ ہی دن باقی رہ گئے ہیں، جس کے پیش نظر اردو موومنٹ نے سرکار سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ ایجوکیشن ڈائرکٹوریٹ کو اسکول کھل جانے سے قبل ہی اردو اساتذہ کی خالی اسامیوں کو پُر کرنے کا عمل شروع کرنے کی ہدایت دے۔ اردو موومنٹ کے کنوینر فرید احمد نے کہا کہ کافی عرصہ قبل اعلان کیے جانے کے باوجود اب تک 42 اردو اساتذہ کا تقرر نہیں کیا گیا اور حسب افسر شاہی کسی نہ کسی بہانے سے تقرریوں کو مسلسل التوا میں ڈالے جا رہی ہے، جس کا خمیازہ طلبہ کو بھگتنا پڑ رہا ہے، جس کی مثال اس بار اردو میڈیم اسکولوں کے دسویں اور بارھویں جماعت کے نتیجے ہیں جن میں اردو اساتذہ کی کمی کا صاف اثر دیکھنے کو ملا ہے۔ روزنامہ 'راشٹریہ سہارا' نے اس سلسلے میں اردو اکادمی کے سکریٹری انیس اعظمی سے بات کی تو انھوں نے کہا کہ اردو، پنجابی اور سندھی اکادمیاں اب اساتذہ کا تقرر نہیں کر سکتیں۔ ہم سے تو محکمہ تعلیم نے اردو اساتذہ کے تقرر کے لیے آر آر بنانے کو کہا تھا، جسے ہم نے بنا کر دے دیا۔ انھوں نے بتایا کہ جن 42 اردو اساتذہ کا تقرر ہونا تھا، ان میں سے محض 10 اساتذہ کا ہی تقرر ہو پایا ہے۔ تعلیمی مقصد کے لیے سرگرم تنظیم خدمت کے صدر منصور جمال نے کہا کہ ایک طرف تو سرکار "سب کے لیے لازمی تعلیم" کا قانون پاس کر چکی ہے اور دوسری جانب اسکول میں تعلیم حاصل کرنے کے لیے جانے والے طلبہ و طالبات کو پڑھانے کے لیے معقول تعداد میں اساتذہ تک موجود نہیں ہیں۔ انھوں نے کہا کہ دہلی کی اروند کیجریوال سرکار کو اس جانب خصوصی توجہ دینی چاہیے ورنہ اگر یہی صورت حال رہی تو دہلی میں تعلیم کا معیار گرنے لگے گا، اس لیے سرکار کو چاہیے کہ وہ اساتذہ کی تقرری کو اولین ترجیح دے کیونکہ آج کے طلبہ کل کے مستقبل ہیں۔

(راشٹریہ سہارا، دہلی)

وزیر اعلا اردو اساتذہ کی بحالی کو آسان بنانے کے لیے عملی اقدام کریں

ٹی ای ٹی کامیاب امیدواروں کی درخواست کیمپ لگا کر لیے جانے کا مطالبہ

ارریہ، بہار (17 جون)۔ ٹی ای ٹی کامیاب امیدواروں نے مطالبہ کیا ہے کہ اساتذہ تقرری کے عمل کو آسان ترین بنایا جائے تاکہ امیدوار اپنی درخواست دے کر بحالی کرانے میں کامیاب ہو سکیں۔ عبدالغنی نے نامہ نگاروں کو بتایا کہ درخواست دینے کی آخری تاریخ 25 جون ہے، اتنے کم وقت میں بہت سارے امیدوار درخواست نہیں دے پائیں گے لہٰذا کیمپ لگا کر درخواست لی جائیں۔ انھوں نے کہا کہ بہت تاخیر ہونے کے بعد اب امیدواروں میں امید جاگی ہے مگر ان کا یہ خواب پورا ہوگا یا نہیں اس پر انھیں یقین نہیں ہو رہا ہے۔ انھوں نے کہا کہ اس سلسلے میں ایک عرض داشت ارریہ ڈی ایم اور ضلع ایجوکیشن افسر کو دیا گیا ہے۔ سب سے افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ اب تک میرٹ فہرست شائع نہیں کی گئی ہے۔ دوسری جانب بہت سارے امیدواروں کو رزلٹ کارڈ بھی دستیاب نہیں ہو سکے ہیں۔ اگر بروقت رزلٹ کارڈ مہیا نہیں کرایا گیا تو امیدواروں کو درخواست دینے میں دشواری پیدا ہو جائے گی اور وہ اس سے محروم ہو جائیں گے۔ انھوں نے تمام اردو انجمنوں اور تنظیموں سے درخواست کی ہے کہ اردو اساتذہ کی بحالی میں جو رکاوٹیں پیدا کی جا رہی ہیں ان سے دور کرنے میں تعاون دیں۔

(راشٹریہ سہارا، دہلی)

کوئمبتور میں زبان و ادب کے فروغ کے لیے علامہ اقبال اردو اکیڈمی کا افتتاح

کوئمبتور (12 جون)۔ علاقے میں اردو زبان و ادب کو فروغ دینے کے لیے شہر میں ایک اکیڈمی شروع کی جا رہی ہے۔ 14 جون سے شروع ہو رہی علامہ اقبال اردو اکیڈمی شہر بھر اور ضلع کے اہم مقامات پر اسٹڈی سنٹرز قائم کرے گی۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ لوگ داخلہ لے سکیں جو صرف اردو بولنا جانتے ہیں اور اسے سیکھنے کے خواہش مند ہیں۔ اکیڈمی کے صدر امتیاز باجوہ نے اخبار نویسوں سے گفتگو کرتے ہوئے بتایا کہ بعد ازاں ایک اردو میڈیم اسکول بھی شروع کیا جائے گا۔ انھوں نے مزید بتایا کہ تمام بیماروں کی سہولت کے لیے ایک اسپتال تعمیر کرنے کی تجویز بھی ہے جہاں مناسب خرچ پر علاج کیا جا سکے۔

(سالار، بنگلور)

عالیہ یونیورسٹی میں شعبۂ اردو کے قیام کی منظوری

کلکتہ (۵ جون) ۔ اپنے اعلان کے چار دن کے اندر وزیر اعلا ممتا بنرجی نے عالیہ یونیورسٹی میں اردو کا شعبہ قائم کرنے کو باقاعدہ طور پر منظوری دے دی۔ وزیر اعلا جن کے پاس اقلیتی امور کا بھی قلمدان ہے، انھوں نے یونیورسٹی میں شعبۂ اردو سے متعلق فائل پر دستخط کر دیے۔ واضح رہے کہ جشن اقبال کی افتتاحی تقریب میں وزیر اعلا ممتا بنرجی نے علامہ اقبال کے اعزاز میں اقبال چیئر قائم کرنے کا اعلان کیا تھا مگر ریاستی محکمہ برائے اقلیتی امور کے سکریٹری الیمن اے بابا نے فوراً انھیں یاد دلایا کہ عالیہ یونیورسٹی میں شعبۂ اردو نہیں ہے تو اقبال چیئر کا قیام کیسے ہوگا؟ جس پر وزیر اعلا نے فوراً عالیہ یونیورسٹی میں شعبۂ اردو قائم کرکے اقبال چیئر کے قیام کی ہدایت دی تھی۔ اس جشن میں ممتا بنرجی کو ریاست میں اردو زبان کی ترقی کے لیے پاسبان اردو کا بھی مغربی بنگال اردو اکادمی کی جانب سے خطاب دیا گیا ہے۔ ممتا نے ایک بار پھر پاسبان اردو کا کردار ادا کیا اور فوراً حکم کی تعمیل کروا ڈالی۔ اردو کے ایک پروفیسر کا کہنا ہے کہ جشن اقبال میں علامہ اقبال کے پوتے ولید اقبال نے والد کی جانب سے بعد از مرگ ترانۂ ہندی ایوارڈ حاصل کیا اور عالیہ یونیورسٹی میں شعبۂ اردو قائم ہوگیا۔ یہ اکٹھے دو تحائف ہیں۔ عالیہ یونیورسٹی، ریاستی محکمہ برائے اقلیتی امور اور مدرسہ تعلیم کے تحت خود مختار یونیورسٹی ہے۔ 229 سالہ اس ادارے کو چند برس قبل ترقی دے کر عالیہ یونیورسٹی بنائی گئی ہے۔ اس سے قبل رفیع احمد قدوائی روڈ پر یہ کلکتہ مدرسہ کے نام سے واقع تھا، اسے ترقی دے کر پہلے کلکتہ مدرسہ کالج اور پھر اسمبلی میں عالیہ یونیورسٹی ایکٹ کے ذریعے حکومت مغربی بنگال نے عالیہ یونیورسٹی قائم کی۔

2007 میں اسے یونیورسٹی کا درجہ ملنے کے باوجود وہاں اردو کا شعبہ قائم کرنے کا مطالبہ کیا جارہا تھا مگر ارباب اختیار کی جانب سے دھیان نہیں دیا گیا مگر علامہ اقبال کے نام کی برکت کام آئی اور ایک جھٹکے میں عالیہ یونیورسٹی میں اردو شعبے کے ساتھ اقبال چیئر کا قیام ہوگیا۔ اب تک کلکتہ یونیورسٹی میں شعبۂ اردو اور اقبال چیئر قائم ہے۔ ذرائع کے مطابق گرمی کی تعطیلات کے ختم ہونے کے بعد عالیہ یونیورسٹی میں باقاعدہ اردو شعبے کا ڈھانچہ بنانے کا کام شروع ہوگا اور اگلے تعلیمی سال سے درس و تدریس کا سلسلہ بھی شروع کر دیا جائے گا۔ عالیہ یونیورسٹی کے پارک سرکس اور سالٹ لیک کیمپس میں اردو شعبے کے علاوہ بی ایڈ کورسز شروع کرنے کی پرانی مانگ رہی ہے۔ اردو شعبے کی مانگ پوری ہونے سے خوشی کی لہر دوڑ گئی ہے۔ اس موقع پر اردو اکادمی گورننگ باڈی کے رکن اور ترنمول مائناریٹی سیل کے جنرل سکریٹری جناب مختار علی نے بتایا کہ جشن اقبال کے تعلق سے نذرل منچ میں جناب سلطان احمد کا وزیر اعلا ممتا بنرجی کو عالیہ یونیورسٹی میں اردو شعبہ قائم کرنے سے متعلق بیچ مشورہ کام کر گیا اور صرف چار دنوں میں وزیر اعلا ممتا بنرجی نے عالیہ یونیورسٹی میں اردو شعبہ قائم کرنے کا اعلان کر دیا۔ مختار علی نے بتایا کہ عالیہ یونیورسٹی اپنے آپ میں مکمل یونیورسٹی ہے جس میں اردو شعبہ کھلنے سے اردو طلبہ کو تمام کورسز بہ شمول دو ٹیکنیکل کورسز کا فائدہ پہنچے گا۔

(اخبار مشرق، کلکتہ)

سرکاری اسکولوں میں درجہ 1 سے 8 تک اردو کو لازمی مضمون قرار دینے کا مطالبہ

گورکھپور (14 جون) ۔ اردو زبان کی ترویج و ترقی کے لیے حکومت اترپردیش نے دوسری سرکاری زبان کا درجہ تو دے دیا لیکن اب تک اس پر عمل نہ ہونے سے محبان اردو میں تشویش ہے۔ گزشتہ دنوں اترپردیش کے گورنر رام نائک نے لکھنؤ شہر کے کئی پروگراموں میں اردو زبان کے تئیں خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ریاست میں اردو پڑھنے اور بولنے والوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ اس کے باوجود بھی اس زبان کو اس کا جائز حق نہ مل پانا افسوس ناک بات ہے۔ اس سلسلے میں اردو ٹیچرس ایسوسی ایشن اترپردیش کے ریاستی صدر حسام الدین صدیقی اور سیما سوسائٹی کے بانی ڈاکٹر مسیح الدین خاں نے مشترکہ طور پر حکومت اترپردیش سے مطالبہ کیا کہ اردو کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ دیے جانے کے احکام پر باقاعدہ عمل درآمد کرتے ہوئے اردو مترجمین اور اردو اساتذہ کی تقرری کی جائے اور سرکاری اسکولوں میں درجہ ایک سے 8 تک اردو کو لازمی کیا جائے۔

(آگ، لکھنؤ)

سرکاری اسکولوں میں اردو اساتذہ کی تقرری جلد: کجریوال

دہلی سکریٹریٹ میں اردو اکادمی کی گورننگ کونسل کی میٹنگ میں اردو کی ترویج و ترقی سے متعلق اہم ایشوز پر غور و خوض

نئی دہلی (19 جون) ۔ دہلی کے تمام سرکاری اسکولوں میں اردو اساتذہ کے تقرر کو یقینی بنایا جائے گا اور اردو زبان کو وہ تمام حقوق مہیا کرائے جائیں گے جو آئینی اعتبار سے کسی بھی دوسری سرکاری زبان کو ملنے چاہئیں۔ اس کے لیے پانچ سال تک انتظار کرنے کی ضرورت نہیں ہے، پانچ ماہ میں ہی نتیجہ آپ کے سامنے آجائے گا۔ یہ یقین دہانی وزیر اعلا اروند کجریوال نے آج دہلی سکریٹریٹ میں اردو اکادمی کی گورننگ کونسل کی میٹنگ سے خطاب کرتے ہوئے کرائی۔ اس موقع پر اردو اکادمی کی نئی شائع شدہ کتابوں کا اجرا بھی عمل میں آیا۔ اروند کجریوال نے اردو اکادمی کے کام کاج کی ستائش کرتے ہوئے کہا کہ اکادمی دانشورانہ کام تو انجام دے رہی ہے لیکن جس دن بچے بچے کی زبان پر اردو زبان آجائے گی اس دن اکادمی صحیح معنی میں کامیاب اور سرخرو ہوگی۔ انھوں نے کہا کہ اردو اساتذہ کی تقرری کا مسئلہ واقعی بہت پیچیدہ ہے اور وہ اس سلسلے میں آسمد سنگھ کو وزیر تعلیم اور محکمۂ تعلیم کے افسران کے ساتھ خصوصی میٹنگ کریں گے۔ انھوں نے کہا کہ آپ کو پانچ سال میں نہیں پانچ ماہ میں ہی نتیجہ دکھائی دے گا۔ کجریوال نے کہا کہ اردو کو صرف کاغذات پر ہی دوسری سرکاری زبان کا درجہ نہیں رکھا جائے گا بلکہ اسے وہ تمام مراعات بھی مہیا کرائی جائیں گی جو کسی دوسری سرکاری زبان کو ملنی چاہئیں۔ کجریوال نے کہا کہ اردو مسلمانوں کی نہیں بلکہ ہندوستانیوں کی زبان ہے اور چوں کہ اردو اور پنجابی دوسری سرکاری زبانیں ہیں، اس لیے ان کا ٹیچر تو ہر اسکول میں ہونا ہی چاہیے تاکہ طلبہ کے پاس متبادل موجود رہے۔ انھوں نے کہا کہ پبلک اسکول میں اپنے ملک کی زبانوں کو نظر انداز کرکے فرنچ اور جرمن پڑھائی جارہی ہے۔ انھوں نے کہا کہ سرکار اس بات کا بھی جائزہ لے گی کہ دوسری سرکاری زبانوں کو پبلک اسکولوں میں پڑھائے جانے کے تعلق سے قانون کیا کہتا ہے۔ انھوں نے کہا کہ نوجوانوں میں اردو شاعری اور ادب کے تئیں کافی لگاؤ پایا جاتا ہے اور مجھے بہت سے لوگ اردو سیکھنا چاہتے ہیں لیکن انھیں پتا نہیں ہے کہ کہاں سے سیکھیں۔

وزیر فن، ثقافت و لسانیات کپل مشرا نے کہا کہ اردو اساتذہ کی کمی کا مسئلہ ان کے علم میں ہے کیوں کہ ان کے انتخابی حلقہ کراول نگر میں بھی یہ مسئلہ ان کے سامنے آیا ہے۔ سرکار اس مسئلے کو حل کرانے کی کوشش کرے گی۔ انھوں نے اکادمی سے ان ایشوز کو بھی زیر بحث لانے کا مشورہ دیا جو سماج میں تبدیلی لانے میں مددگار ہیں۔ اس سے قبل اکادمی کے وائس چیئرمین پروفیسر خالد محمود نے اروند کجریوال کا شکریہ ادا کیا اور اکادمی کی سرگرمیوں کو بہتر طور پر انجام دینے میں سرکار کے تعاون کی تعریف کی۔ سکریٹری انیس اعظمی نے خلاصہ کرتے ہوئے کجریوال کو اکادمی کے پروگراموں کی تفصیلات سے واقف کرایا اور ان سے درخواست کی کہ گزشتہ سال لال قلعے پر منعقد ہونے والا 'اردو وراثت میلہ' منعقد نہیں ہو سکا تھا۔ اس پر اروند کجریوال نے ان سے کہا کہ اس بار اس میلے کو ضرور منعقد کیجیے بلکہ اور نئے ایونٹ تیار کیجیے اور ان کا بہتر طریقے پر پروپیگنڈہ کیجیے کیوں کہ سرکار دہلی کو ایک ٹورسٹ ہب بنانا چاہتی ہے۔

میٹنگ کے دوران ذاکر نگر اسکول کی پرنسپل ڈاکٹر شبانہ نذیر، جامعہ ملیہ اسلامیہ کے پروفیسر شہزاد انجم اور صحافی معصوم مرادآبادی نے سرکاری اسکولوں میں اردو اساتذہ کی 20 سال سے تقرری نہ کیے جانے اور بیورو کریسی کے ذریعے اردو میڈیم اسکولوں کو نظر انداز کرنے کی شکایت کی اور انھیں بتایا کہ کس طرح سے اردو طلبہ کے ساتھ برسوں سے ناانصافی کی جارہی ہے۔ جشن بہار ٹرسٹ کی چیئرپرسن کامنا پرساد نے کہا کہ دہلی سرکار کے ہر ایک اسکول میں کم سے کم ایک اردو ٹیچر کا تقرر ہونا چاہیے تاکہ طلبہ کے پاس اردو زبان پڑھنے کا متبادل تو ہو۔ جے این یو کے پروفیسر معین الدین جینابڑے اور صحافی تحسین منور نے دہلی کی سڑکوں کے سائن بورڈوں پر اردو میں غلط نام لکھے جانے پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ جب بیرون ملک سے آنے والے لوگ اس کی نشان دہی کرتے ہیں تو بڑی شرم آتی ہے۔ انھوں نے مطالبہ کیا کہ ایم سی ڈی، ڈی ڈی اے، این ڈی ایم سی اور پی ڈبلیو ڈی وغیرہ سے کہا جائے کہ وہ سڑکوں کے نام لکھے جانے سے قبل اس کی اردو اکادمی سے تصدیق کرائیں۔ میٹنگ میں شرکت کرنے والے دیگر ممبران میں پروفیسر دھرمیندر ناتھ، جی آر کنول، پروفیسر شہپر رسول، ڈاکٹر عقیل احمد، انجم عثمانی، مفتی عطاء الرحمن قاسمی اور حاجی میاں فیاض الدین وغیرہ موجود تھے۔

(راشٹریہ سہارا، دہلی)

رفتید ولے نہ از دل ما

کلکتہ۔ اردو کے مشہور ترقی پسند افسانہ نگار جناب سعید پریمی کا 9 جون 2015 کی صبح یہاں انتقال ہوگیا۔ وہ 78 برس کے تھے۔ مرحوم کے پس ماندگان میں اہلیہ، دو بیٹیاں اور چار بیٹے ہیں۔ مرحوم کچھ دنوں سے بیمار چل رہے تھے۔ تدفین گوبرا غربیاں قبرستان میں عمل میں آئی۔ مارکسی کمیونسٹ پارٹی سے سرگرم طور پر وابستہ سعید پریمی نے انتخابی سیاست میں بھی حصہ لیا تھا اور میونسپل کونسلر کی حیثیت سے خدمات انجام دی تھیں۔ ان کے افسانوی مجموعے 'چہرے کی واپسی' اور 'میرے اپنے' کے علاوہ 'میری بستی میرے لوگ' کو خاصی پذیرائی حاصل ہوئی تھی۔ سعید پریمی کی علمی و ادبی خدمات کے اعتراف میں انھیں مغربی بنگال اردو اکیڈمی اور بزم شہر نشاط نے اعزازات سے سرفراز کیا تھا۔ مرحوم کے جنازے میں مختلف شعبہ ہائے زندگی کے نمائندوں کے علاوہ ان کے احباب کی بڑی تعداد نے شرکت کی۔

ادارہ 'ہماری زبان' مرحوم کے لیے مغفرت اور پس ماندگان کے لیے صبر جمیل کی دعا کرتا ہے۔

○

ہندی کے مشہور ادیب، شاعر اور صحافی آلوک بھٹا چاریہ کا 25 جون کی شام حرکت قلب بند ہونے کی وجہ سے انتقال ہوگیا۔ وہ 62 برس کے تھے۔ یہ اطلاع ہمیں جناب ندیم صدیقی نے دی ہے۔ آلوک بھٹا چاریہ 16 جون 1953 کو پیدا ہوئے تھے۔ وہ اردو کے مشہور ادیب شانتی رنجن بھٹا چاریہ کے بھائی تھے اور اپنے برادر کی طرح انھیں بھی اردو زبان سے محبت تھی اور وہ اردو کے ادبی حلقوں میں خاصے معروف تھے۔ ممبئی کے اردو اور ہندی دونوں زبانوں کے اہل قلم انھیں عزیز رکھتے تھے۔ بابری مسجد کی شہادت کے بعد ملک بھر میں اور بالخصوص ممبئی میں جو فرقہ وارانہ فسادات پھوٹ پڑے اس پس منظر میں آلوک کا ایک ناول 'اپنا ہی چہرہ' نہ صرف شائع ہوا بلکہ اسے قدر کی نگاہ سے بھی دیکھا گیا۔ اسی طرح ان کا ایک ناول 'ناسک' بھی مقبول ہوا۔ آلوک بھٹا چاریہ نے اپنی آپ بیتی بھی لکھی تھی جو چھپ چکی ہے۔ ان کے کوئی سات شعری مجموعے منظر عام پر آچکے ہیں۔

ادارہ 'ہماری زبان' مرحوم کے پس ماندگان کے غم میں برابر کا شریک ہے۔

(ادارہ)

نئی کتابیں

تبصرے کے لیے دو کتابوں کا آنا ضروری ہے

نام کتاب : بوندا باندی
شاعر : عطاء الرحمٰن طارق
ضخامت : 64 صفحات
قیمت : 60 روپے
ملنے کا پتہ : 701/5A وجیا کوآپریٹو ہاؤسنگ سوسائٹی، وشالی نگر کے کے روڈ، مہالکشمی، ممبئی-400011
تبصرہ نگار : ابوصارم صارم
sazimabusarim@gmail.com

بچوں کی ذہنی اور فکری تربیت سماج کی ذمہ داری ہے اور اس ذمہ داری کا احساس ہمارے تخلیق کاروں کو خواہ وہ نثر نگار ہوں یا شاعر ہمیشہ رہا ہے۔ ایک زمانہ تھا جب ہر بڑا ادیب اور شاعر بچوں کے لیے لکھنا اپنا فرض اولین سمجھتا تھا۔ آج کے عہد میں بھلے ہی کم سہی لیکن ایسے تخلیق کار موجود ہیں جو بچوں کے لیے عمدہ اور سبق آموز کہانیاں لکھ رہے ہیں وہیں ایسے شعرا بھی موجود ہیں جو بچوں کے لیے ایسی نظمیں لکھ رہے ہیں جو ان کے ذہن و دل کے دروازے کھول دیں، عطاء الرحمٰن طارق صاحب انھی میں سے ایک ہیں۔ 'بوندا باندی' ان کا چوتھا مجموعہ ہے۔ اس سے پہلے 'تحفہ'، 'دعائی دعائی' اور 'زم زم' یہ تین مجموعے جو بچوں کی نظموں پر مشتمل ہیں، منظر عام پر آچکے ہیں۔ 'بوندا باندی' کا انتساب طارق صاحب نے اپنی پھوپھی حلیمہ کے نام کیا ہے جن کے بارے میں ان کا خیال ہے کہ انھوں نے ہی سب سے پہلے ان کی تخلیقی صلاحیت کو پہچانا۔

64 صفحات کے اس مجموعے میں 53 نظمیں شامل ہیں جو بچوں کے لیے مختلف موضوعات پر لکھی گئی ہیں۔ اس مجموعے کی پہلی نظم 'بوندا باندی' ہے جس کے آخر میں شاعر نے جلی حرفوں میں لکھا ہے کہ "وہ الھڑپن اور وہ کھیل تو اب بیتے دنوں کی باتیں ہیں لیکن مجھے لگتا ہے میرے اندر کہیں بادل گھر اور گھر سے ہو گئے ہیں اور بوندا باندی مسلسل جاری ہے"۔

شاعر نے مجموعے کی سبھی نظمیں بہت سادہ اور بچوں کی عام بول چال کی زبان میں لکھی ہیں۔ ایک نظم 'ریل چلی...' کے چند مصرعے دیکھیے:

سوتے جاگے
اٹھ کر بھاگے
آئی، دھکم پیل چلی
ریل چلی...

انھوں نے اس مجموعے میں کئی نظمیں غزل کے فارم میں بھی لکھی ہیں، ایک نظم 'ماچس' کے دو شعر پیش ہیں:

معجزہ پل میں سے دکھا دیتی ہے
ایک جگنو سا اڑا دیتی ہے
یوں تو چھوٹی سی ہے ڈبیا لیکن
وقت پر کام بڑا دیتی ہے

عطاء الرحمٰن طارق نے نظموں کو لکھتے وقت بچوں کی لیاقت اور ان کی ذہنی استعداد کا خاص خیال رکھا ہے۔ انھوں نے اس زمانے کے بچوں کی ایک اہم ضرورت 'انٹرنیٹ' پر بھی ایک نظم کہی ہے۔ یہ سچ ہے کہ اب انٹرنیٹ بچوں اور بڑوں سبھی کی ضرورت بن چکا ہے۔ دو شعر دیکھیے:

گفتگو ہو رہی ہے کیفے میں
سائبر سلسلہ ہے انٹرنیٹ
مجھ کو ای میل بھیجتے رہنا
یعنی میرا پتا ہے انٹرنیٹ

نہ جانے کیوں بچوں کی نظمیں پڑھتے وقت مجھے اسماعیل میرٹھی کی نظمیں یاد آجاتی ہیں۔ کاش!

●●●

نام کتاب : ڈاکٹر مصطفیٰ کمال علمی و ادبی خدمات
مصنف : محمد انورالدین
ضخامت : 224 صفحات
قیمت : 250 روپے
ناشر : اقبال اکیڈمی، حیدرآباد
تبصرہ نگار : امیر حمزہ
ameerhamza033@gmail.com

ڈاکٹر مصطفیٰ کمال کی شخصیت کو کسی ایک زاویے سے دیکھنا بہت مشکل ہے جس طریقے سے زندگی کے اوراق کھلتے گئے صفحات پر ان کی خدمات رقم ہوتی گئیں، جن میں کئی ایسی خدمات شامل ہیں جنھیں قوم کبھی نہیں بھلا سکتی۔ ان ہی چند اہم خدمات کو اس کتاب میں تفصیل سے مصنف نے پیش کیا ہے۔

مصنف مذکورہ کتاب کو 5 ابواب میں تقسیم کرتے ہیں۔ پہلا باب سوانح اور شخصیت پر مشتمل ہے۔ دوسرے باب میں ان کی علمی خدمات کا ذکر ہے جس میں اس بات کا بھی خصوصی ذکر ہے کہ موصوف مولانا آزاد نیشنل اردو یونی ورسٹی کے قیام میں اکابرین کے ساتھ ساتھ شریک رہے اور قیام کے بعد ۱۹۹۷ء تا ۲۰۰۷ء ٹرانسلیشن ڈویژن کے انچارج و کوآرڈینیٹر کی حیثیت سے ان کی نگرانی میں فاصلاتی تعلیم کی تقریباً دو سو کتابیں تصنیف و تالیف اور ترجمہ کے بعد شائع ہوئیں۔ کالج آف لینگویجس کے قیام میں ڈاکٹر سید مصطفیٰ کمال کا جو کردار رہا ہے اس کا بھی ذکر اس باب میں ہے۔

تیسرا باب موصوف کی ادبی خدمات کو محیط ہے۔ ان کی ادارت میں مجلہ جامعہ عثمانیہ کا "دکنی ادب نمبر" شائع ہوا تھا جس کے تمام جزئیات کا احاطہ اس کتاب میں کیا گیا ہے۔ بحیثیت مصنف موصوف کی ایک کتاب "حیدرآباد میں اردو کی ترقی تعلیمی اور سرکاری زبان کی حیثیت سے" کا بھی تجزیاتی مطالعہ کیا گیا ہے۔

باب چہارم بحیثیت صحافی ہے۔ موصوف روزنامہ 'رہنمائے دکن' سے وابستہ رہے ہیں، جس میں بطور مدیر ۱۹۶۷ء سے ۱۹۷۱ء تک اس اخبار کو سنوارتے رہے۔ ان نو برس کے قلیل عرصے میں اخبار میں ان کے جتنے بھی ادبی اور تخلیقی مضمون شائع ہوئے ان سب کی فہرست شامل کتاب ہے جن کی تعداد تقریباً ۱۰۰ تک ہے۔

آزادی کے بعد طنز و مزاح کے فروغ و اشاعت میں موصوف کی خدمات ناقابل فراموش ہیں خصوصاً 'شگوفہ' کا مسلسل اشاعت جس نے کم وبیش اب تک اردو طنز کی روایت کو برقرار رکھا ہے۔ 'شگوفہ' شروع میں ڈیڑھ ماہی شائع ہوتا رہا جس کے صرف آٹھ شمارے شائع ہوئے تھے۔ اب ۱۹۷۳ء تا حال ماہنامہ بنا تو اپنی بنیادی خصوصیت طنز و مزاح کے ساتھ مستقل شائع ہو رہا ہے۔ اس کے اب تک 18 خصوصی اور 13 اعزازی شمارے شائع ہو چکے ہیں۔ 'شگوفہ' کے متعلق پروفیسر بیگ احساس لکھتے ہیں "طنز و مزاح نگاروں کی وہ روایت جو بیسویں صدی کے دوسرے دہے میں دم توڑ چکی تھی اسے ایک موثر رجحان کی حیثیت اور طنز و مزاح نگاری کو ایک سمت عطا کرنے میں 'شگوفہ' نے اہم رول ادا کیا۔ اردو صحافت نے 36 سال تک مسلسل اشاعت کا جو سنگ میل قائم کیا تھا شگوفہ نے اسے بھی پار کر لیا اور اس کا سفر جاری ہے۔" اس رسالے کی ایک خصوصیت یہ بھی قائم رہی ہے کہ یہ اپنا سالنامہ شمارہ بھی جاری کرتی ہے۔ نیز 'شگوفہ' کے تمام قلمکاروں کی ایک لمبی فہرست ہے جو تقریباً 14 صفحات پر مشتمل ہیں۔

الغرض یہ کتاب ایک دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے جس میں ایک شخص کی زندگی کے تمام گوشوں اور ایک زندہ جاوید رسالہ کے تمام جزئیات کو پیش کیا گیا ہے۔ مذکورہ کتاب تحقیق کے تمام لوازمات کو مدنظر رکھتے ہوئے خوب صورت انداز میں ترتیب دی گئی ہے جو یقیناً تحقیق کے طالب علموں کے لیے ایک بہترین نمونہ ہے۔

●●●

بقیہ: پرانے نقاد کی نئی کتاب

صفحہ 8 سے آگے

تھا لیکن مضمون کے آخر میں ترقی پسند شارب بولتے ہیں جب ان کے قلم سے ایسے جملے نکلتے ہیں:

"آج زندگی کئی طرح کے تضادات کا شکار ہے۔ ایک طرف مذہبی بنیاد پرستی اور دہشت گردی کا زور ہے تو دوسری طرف صارفیت کنزیومرازم اور دوسرے ملکوں کی معیشت کو تباہ کرکے انھیں اپنا دست نگر بنانا۔ کیا ایسے میں ادیب صرف ایک خاموش تماشائی اور اپنی تحریروں کی کثرت تاویلات کا شکار بنا رہے؟ ادب نشاط و مسرت کے ساتھ فکری رہنمائی بھی کرتا ہے۔ ساختیات پس ساختیات، مابعد جدیدیت ساخت اور ہیئت اور ادب کو فلسفہ کی اصطلاحوں اور متن کے بے نتیجہ مباحث میں الجھا کر معنویت سے دور رکھنے کی کوشش ہیں"۔

(ص ۳۲)

اور پھر مضمون کا آخری جملہ جو سارے نظریات پر بھاری ہے — "تنقید کا کام تحسین قدر کا ہے اس لیے وہی نظریہ کارآمد اور دیرپا رہے گا جو ادب کے تحسین قدر میں معاون ہوگا" (ص ۳۳)۔ اس اعلا پایے کے مضمون میں اطلاعات ہیں، تاریخ ہے، فکر و فلسفہ ہے، رویے اور نظریہ بھی ہے۔ علم و دانش سے پُر اب ایسے مضامین پڑھنے کو کہاں ملتے ہیں۔

دوسرا مضمون ترقی پسند تحریک کے نظریاتی نشیب و فراز سے متعلق ہے۔ مضمون اس جملے سے شروع ہوتا ہے: "ترقی پسند تحریک ایک نظریاتی تحریک ہے اور یہی اس کی توانائی ہے اور کمزوری بھی"۔ پھر گفتگو اسی مضبوطی اور کمزوری پر پھیل جاتی ہے۔ ان کا خیال ہے کہ تحریک نے پہلی بار حقوق انسانی کا سوال اٹھایا۔ آج دلت ادب، نسائی ادب، احتجاجی ادب کے بڑے چرچے ہیں۔ تحریک نے سب سے پہلے ان سب کے خلاف آواز اٹھائی، یہی نہیں اس نے قلم اور لفظ کی طاقت کا احساس دلایا۔ تحریک کی تاریخ، علم و عمل پر اطلاعاتی گفتگو زیادہ ہے نظریاتی مباحث نسبتاً کم لیکن ایک پہلو بے حد اہم ہے، لکھتے ہیں:

"ترقی پسند تحریک کا ایک رخ انسان دوستی، بے تعصبی، امن، خیر سگالی، محبت اور سماجی برابری کی تمنا بھی تھی جو اس کی بنیادی، معاشرتی اور سماجی اساس ہے۔ اس کے اس رخ نے عام انسانوں اور شاعروں کو متاثر کیا۔ یہ بات ہندستانی مزاج سے ہم آہنگ تھی۔ ہندستان کی تہذیبی وراثت کا ایک قیمتی سرمایہ بھگتی اور تصوف تھا۔ ترقی پسند تحریک میں بھی وہی مذہبی رواداری، بے تعصبی اور ہم آہنگی ہے اس لیے، عام انسان کو اسے قبول کرنے میں دیر نہیں لگی" (ص ۳۰)۔

اس کے باوجود اعتراضات ہوئے۔ تحریک کا سفر، انجمن کی وسعت، آج کی صورت۔ مضمون ان جملوں پر ختم ہوتا ہے:

"آج اس کے اراکین میں ایسے لوگوں کی تعداد زیادہ ملے گی جن کا کوئی سیاسی نظریہ نہیں ہے۔ اس طرح ترقی پسند تحریک، تحریک کے بجائے صرف ایک انجمن رہ گئی ہے"۔

(ص ۳۴)

مضمون کے بالکل آخر میں ترقی پسند شارب کا یہ جملہ سامنے آتا ہے:

"مذہبی بنیاد پرستی اور دہشت گردی کا سایہ بڑھتا جا رہا ہے اور ایسا لگتا

ہے کہ دنیا آگے بڑھنے کے بجائے پیچھے کی طرف چلنے لگی ہے''۔
(ص ۳۲)

تیسرے مضمون بہ عنوان ''جدید اردو تنقید اور مابعد جدیدیت'' میں انھی باتوں کی توسیع و تشریح ہے جن کا ذکر پہلے مضمون میں ہو چکا ہے تاہم یہ اپنے آپ میں ایک الگ مضمون ہے جس میں یہ جملہ بھی آتا ہے:

''مابعد جدیدیت ڈسکورس مکالمہ یا تھیوری ہے یا نہیں لیکن اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ یہ مغربی بالادستی کا ایک حصہ ہے'' (ص ۳۸)۔

مضمون ان کارآمد جملوں پر ختم ہوتا ہے:

''اب تک تنقید کا عمل کبھی نظریہ سازی کا شکار رہا اور کبھی تھیوری سازی کا، اس لیے نگاہیں صرف باہر کی طرف رہیں۔ ضرورت مغرب کے ساتھ اپنے تہذیبی، ثقافتی اور ادبی معیار کی طرف دیکھنے کی ہے اور ایسی شعریات اور شعری جمالیات وضع کرنے کی جو محدودیت یا تنگ نظری کا شکار نہ ہو جس میں نئی روشنی کو جذب کرنے کی صلاحیت بھی ہو اور ادبی یا فکری اجارہ داری کو رد کرنے کی قوت بھی''۔ (ص ۴۱)

ان جملوں میں کیسا بھرپور توازن ہے۔ تنقیدی حقیقت اور ادب کی ماہیت کی ایک برملا و برہنہ سچائی جسے شارب جیسا متوازن فکر کا دانشور ہی پیش کرسکتا ہے بلکہ یوں کہا جائے کہ ایک ترقی پسند نقاد ہی رقم کرسکتا ہے، اس لیے کہ ان کے تقریباً تمام مضامین کا خاتمہ پورے ترقی پسند احساس و افکار پر ہوتا ہے نیز یہ بھی کہ ایک بڑے اسکالر کی یہ نشانی بھی ہوا کرتی ہے کہ وہ تعصبات و تحفظات سے پرے زندگی و ادب کے تمام جہات و ابعاد کو علمی و معروضی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ تجزیہ کرتا ہے اور ایک متوازن رویے کے ساتھ کسی نتیجے پر پہنچتا ہے۔ یہ توازن شارب صاحب کے دیگر مضامین میں بھی ملتا ہے۔ خاص طور پر جہاں وہ غیر ترقی پسند نقادوں پر مضامین لکھتے ہیں۔ پہلے حصے کے ایک اور اہم مضمون کا ذکر ضرور کرنا چاہوں گا وہ ہے ''ہم عصر اردو شاعری میں نوحقیقت نگاری''۔ یہ مضمون کئی اعتبار سے بے حد اہم اور فکر انگیز ہے جس میں ابتداء حقیقت نگاری اور نو حقیقت کی بحث اور ہم عصر شاعری میں اس کی تلاش، اس کا اطلاق شارب صاحب کے غیر معمولی تنقید و تحقیق کی غمازی کرتا ہے۔ مضمون شروع ہوتا ہے ان جملوں سے: ''ادب میں حقیقت نگاری کا مسئلہ ہمیشہ ایک متنازعہ مسئلہ رہا ہے۔ حقیقت پسندی کوئی یک رخی چیز نہیں ہے اس کے بہت سے پہلو ہوسکتے ہیں'' (ص ۵۱)۔ اور مضمون ختم ہوتا ہے ان جملوں پر: ''ان کی (نئی شاعری) مختلف جہات اور سمتوں کا بہ خوبی مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔ ان میں پچھلے ادوار کی گھن گرج یا اپنی ذات میں محصور ادعائیت نہیں ہے لیکن اس نرم گوئی (Personalisation) اپنائیت، گہری بصیرت، بلیغ اشاریت اور دور رس استعاراتی معنویت نے اسے زیادہ پُر اثر بنا دیا ہے۔ اور میرے خیال میں نوحقیقت نگاری یا جدید حقیقت نگاری کی یہی خصوصیات ہیں'' (ص ۶۲)۔ متن کی ترقی پسند قرأت بھی قابل ذکر مضمون ہے۔

دوسرا حصہ نقادوں سے متعلق ہے جن میں دو مضامین سجاد ظہیر پر ہیں۔ عموماً ترقی پسند نقادوں پر ہی گفتگو کی گئی ہے لیکن بے حد اہم اور طویل مضمون گوپی چند نارنگ پر ہے شاید اس لیے کہ وہ ایک نظریہ ساز نقاد ہیں، نظریہ ساز نقاد تو شمس الرحمٰن فاروقی بھی ہیں لیکن انھیں نقدِ میر کے حوالے سے پرکھا گیا ہے۔ چند جملے ان نقادوں کے بارے میں ملاحظہ کیجیے:

''انھوں نے (سجاد ظہیر) کم ضرور لکھا لیکن جو کچھ لکھا اسے ادبی مطالعہ، فنی اقدار کے تعین، قدیم و جدید ادب کی اہمیت، فنی تخلیق کے حسن، اس کی سماجی اقدار، مقصدیت اور زندگی سے اس کے تعلق کے پیش نظر ہمیشہ اہمیت کی نگاہ سے دیکھا جائے گا'' (ص ۸۷)

نارنگ صاحب کا مطالعہ بھی ان کی غالب پر کتاب کے حوالے سے زیادہ ہے تاہم وہ یہ بھی لکھتے ہیں:

''آج ہم عصر اردو تنقید میں مابعد جدیدیت کے وہ سب سے اہم ناقد ہیں — نارنگ تفہیم شعر کے سلسلے میں ردِ یداتی نظریے کے موید ہیں اور اسی نظریے سے انھوں نے غالب کی عظمت اور مقبولیت کے اسرار تک پہنچنے کی کوشش کی ہے''۔
(ص ۱۲۷)

اب فاروقی صاحب کے بارے میں شارب صاحب کی آرا ملاحظہ کیجیے:

''شمس الرحمٰن فاروقی نے ان اصولوں کی بازیافت کی ہے جنھیں اردو شعریات کا نام دیا جاسکے۔ ان کا کہنا ہے کہ آفاقی تنقیدی اصولوں سے زیادہ اہم وہ اصول ہیں جو اس ادب کے اپنے معاشرے سے تعلق رکھتے ہیں'' (ص ۱۵۴)

تنقیدی عمل میں سب سے مشکل کام ہوتا ہے اپنے ہم عصر دوست نقادوں کے بارے میں لکھنا لیکن شارب صاحب نے سید محمد عقیل اور قمر رئیس کی تنقید نگاری پر عمدہ مضامین لکھ کر ثابت کر دیا کہ نیت سالم ہو اور مطالعہ عمیق تو یہ مشکل کام بھی بہ خوبی انجام دیا جاسکتا ہے۔

تیسرا اور چوتھا حصہ کلاسکی مضامین پر مشتمل ہے۔ ان ایک درجن مضامین میں نظیر، سودا، انیس، دبیر، میر، غالب، شاد، اکبر وغیرہ آگئے ہیں۔ یہاں بھی شاعری کی تاریخ کی ترتیب و تسلسل کا خیال رکھا گیا ہے۔ نظیر اور سودا پر لکھے گئے مضامین تفصیلی اور معیاری ہیں۔ عرصے کے بعد شاد کی غزلوں پر عمدہ مضمون پڑھنے کو ملا۔ اکبر کے شعری محرکات میں کچھ عناصر بالکل نئے ہیں۔ غالب کی عصری حسیت بھی خاصا عمدہ اور فکر انگیز مضمون ہے۔ آخر کے تین مضامین کتاب کے مزاج و معیار سے قدرے مختلف ضرور ہیں لیکن اپنی نوعیت کے لحاظ سے قابلِ مطالعہ ہیں۔ ایک مضمون اور متوجہ کرتا ہے 'مراثی انیس میں جمالیاتی عناصر'۔ رثائی شاعری میں جمالیات کو تلاش کرنا ایک مشکل عمل ہے لیکن شارب صاحب یہاں بھی عمدگی سے گزر گئے ہیں۔

یہ مضامین دورِ حاضر کے قارئین کے لیے علیہ ہیں کہ اب آج کی تنقید جو کچھ کہ ہے اور جیسی ہے ان میں ایسے مضامین کہاں اور نہ ہی ایسا سلجھا ہوا اسلوب۔ تصورات واضح ہوں تو اسلوب از خود اپنا راستہ بنا لیتا ہے۔ یہ رویہ یہ نظریہ اور یہ مضامین شارب کے ادب و تنقید میں اضافہ کرتے ہیں۔ یوں تو وہ پہلے ہی سے دراز قد ہیں لیکن اس کتاب سے انھوں نے اپنے عہد کی تنقید اور نقاد کو غیر معمولی طور پر متعارف کرا کے نئی تنقید پر احسان کیا ہے جس کے لیے وہ مبارک باد کے مستحق ہیں۔

صدر شعبۂ اردو، الٰہ آباد یونیورسٹی، الٰہ آباد

ooo

پُرانے نقاد کی نئی کتاب

علی احمد فاطمی

پروفیسر شارب ردولوی اردو کے سنجیدہ و بزرگ نقادوں میں سے ایک ہیں۔ سینئر ادیبوں و نقادوں میں جو ایک خاص قسم کی سنجیدگی و بردباری پائی جاتی تھی وہ سب کے سب شارب صاحب میں موجود ہے۔ نئے ادب کو پڑھنا، نئے ادیبوں کی ہمت افزائی کرنا نہ صرف ان کی تنقید بلکہ تہذیب کا ناگزیر حصہ ہے۔ ترقی پسند ادیب و ناقد کی حیثیت سے ان کی شناخت مستحکم و محترم ہے۔ تنقید اور نظریاتی تنقید ان کی تخصیص ہے۔ ان کی کتاب 'جدید اردو تنقید اصول و نظریات' غیر معمولی طور پر مقبول ہوئی اور آج بھی بنیادی کتاب کہی جاتی ہے۔ ترقی پسند فکر و نظریہ تو ان کی گہری نظر ہے ہی وہ پوری فراخ دلی اور وسعت دلی کے ساتھ غیر ترقی پسند اور جدید تحریروں کا بھی مطالعہ کرتے ہیں۔

تازہ ترین کتاب 'تنقیدی عمل' میں بھی کچھ اسی نوع کے موضوعات اور مباحث ہیں۔ مختصر سا پیش لفظ ہے جس کی چند سطروں میں ان کا تنقیدی مطالعہ اور نقطۂ نظر واضح ہو جاتا ہے جو فکری اساس کا رول ادا کرتا ہے۔ یہ جملے دیکھیے:

"تخلیقی عمل ایک پیچیدہ انفرادی عمل بھی ہے اور سماجی عمل بھی۔ کسی بھی فن پارے کی معرفت یا کسی عہد کے ادب سے شناسائی الفاظ کی گہرائیوں اور تہ داریوں تک پہنچے بغیر ممکن نہیں۔ اس کے بغیر نہ تو جمالیاتی عمل کی تصویر بنتی ہے اور نہ سماجی اثر پذیری کی۔" (پیش لفظ)

پیش لفظ میں رقم یہ چند سطریں ان کے متوازن نظریات کی نشان دہی کرتی ہیں۔ جدید تنقید اور مابعد جدید تنقید کے پیش نظر ایک متوازن نظریہ ابھرتا ہے۔

304 صفحات پر مشتمل اس کتاب میں 31 مضامین ہیں جس کو مصنف نے چار حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلے حصے میں نظریاتی مباحث پر مشتمل مضامین ہیں مثلاً 'اردو میں نظریاتی تنقید۔ منظر و پس منظر'، 'ترقی پسند تحریک: نظریاتی نشیب و فراز'، 'جدید تنقید اور مابعد جدیدیت' وغیرہ۔ اس حصے میں آٹھ مضامین ہیں۔ دوسرے حصے میں نقادوں پر مضامین ہیں جو سجاد ظہیر سے لے کر قمر رئیس تک پھیلے ہوئے ہیں اور درمیان میں گوپی چند نارنگ اور شمس الرحمٰن فاروقی بھی شامل ہیں۔ تیسرے حصے میں کلاسیکی ادب ہے جو داستان امیر حمزہ کے تہذیبی اقدار سے شروع ہوتا ہے، نظیر، سودا، انیس، دبیر پر ختم ہوتا ہے۔ چوتھا حصہ کوئی الگ حصہ نہیں لگتا بلکہ تیسرے کی ہی توسیع لگتی ہے جس میں میر، غالب، شاد، اکبر، رشید حسن خاں، آنند وردھن وغیرہ پر مضامین ہیں۔

تبصرہ خواہ کتنا ہی طویل ہو، 31 مضامین پر گفتگو کرپانا مشکل ہوتا ہے۔ اس لیے میں پہلے حصے کے چند مضامین کا ذکر کرنا چاہوں گا جو میری نظر میں عمدہ معیاری مضامین ہیں اور جس سے شارب ردولوی کے انتقادی جوہر ظاہر ہوتے ہیں۔ جیسا کہ عرض کیا گیا کہ پہلے حصے کے مضامین نظریاتی نوعیت کے ہیں جن کا تعلق تاریخ و تہذیب، رجحان و میلان، نظریہ اور رویے سے ہے چوں کہ ان میں کسی نقاد خاص پر مضمون نہیں ہے اس لیے ان میں وسعت ہے، علمیت ہے اور حقیقت پر مبنی مباحث ہیں۔ اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ دیگر مضامین میں یہ صورت نظر نہیں آتی لیکن نظریاتی نوعیت کے مضامین کی اپنی انفرادیت تو ہوتی ہی ہے۔

پہلے مضمون 'اردو میں نظریاتی تنقید پس منظر و پیش منظر' ذکر پس منظر میں حالی و شبلی کی تنقیدی کتابوں کا ذکر ملتا ہے اور یہ اعتماد بھرا جملہ بھی کہ "مقدمہ میں بھی ایک نظریہ یا تھیوری ہے اور 'شعر العجم' یا 'موازنہ' کی بنیاد بھی تنقیدی نظریے پر ہے۔" (ص ۱۴) اور پھر نظریہ کی وضاحت بھی ہے اور نظریہ اور تھیوری میں فرق۔ "تھیوری بعض اصولوں پر کاربند ہوتی ہے اور نظریہ (Idialogy) کا انحصار طرز فکر یا سسٹم (معاشی سیاسی سماجی) پر ہوتا ہے" (ص ۱۴)۔ سرسید تحریک کے زیر اثر ان کتابوں کی آمد اور پھر ترقی پسند تحریک، یعنی ترقی پسند تنقید جو اپنے ساتھ سیاسی فکر بھی ساتھ لائی اور یہ الزام بھی لگا کہ ترقی پسندی اپنے ساتھ سیاسی ایجنڈا بھی ساتھ لائی اور بقول مصنف "یہ الزام بالکل غلط بھی نہیں ہے" (ص ۱۴) حالاں کہ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ "نہ مارکس نے ادب میں کسی سیاسی ایجنڈے پر زور دیا اور نہ ہندوستان میں تحریک کے بنیاد گزار سجاد ظہیر، عبدالعلیم اور احتشام حسین نے" (ص ۱۴)۔ انھوں نے کئی بڑی مثالوں کے ذریعے وضاحت بھی کی ہے اور پھر یہ بھی کہا کہ "یہ اعتراض درست نہیں کہ ترقی پسند نظریات سیاسی غلبہ کی علامت تھے" (ص ۱۴)۔ اسی مقام پر نظریہ ساز وضاحت ان جملوں میں ابھری ہے:

"ادب کے دو پہلو ہوتے ہیں ایک جمالیاتی اور دوسرا سماجی۔ جمالیاتی پہلو مصنف کی انفرادیت، نفسیات اور اس کی آزادانہ فکر کی نمائندگی کرتا ہے اور سماجی پہلو اس کی عصری حسیت، اس کے تجربے اور سماجی شعور کی۔ ترقی پسند نظریہ تنقید ان میں توازن کا دوسرا نام ہے۔" (ص ۱۴)

اور پھر اس کی وضاحت و صراحت، علامتیت، اظہاریت، ہیئت، تجریدیت وغیرہ پر کارآمد گفتگو۔ اردو میں اس کے معاملات اور اس کا زوال۔ 1980 کے بعد نیا رجحان، ساختیات کی آمد جس کی بنیاد بقول مصنف نظریہ ترسیل پر ہے جو دور جدید میں رخصت ہو گیا تھا اور جس سے بڑا نقصان پہنچا۔ لیکن ساختیات کیا ہے، یہ بقول مصنف "سوسیئر نے اپنے لسانی نظریات میں ترسیل معنی کو باقاعدہ ایک اشاراتی نظام سے وابستہ کیا ہے۔ ساختیات کی بنیاد انھی نظریات پر ہے" (ص ۱۶)۔ مزید وضاحت اور پھر یہ بھی کہ ساختیاتی نظریات کا اثر زیادہ دیر تک قائم نہیں رہا اس لیے کہ وہ مکمل طور پر ادبی متن کی خصوصیات کا احاطہ نہ کر سکا جس کا فائدہ پس ساختیاتی نظریہ نے اٹھایا اور متن و معنی کو زیادہ وسعت کے ساتھ پیش کیا لیکن شارب صاحب کا خیال ہے کہ پس ساختیاتی فکر وحدت معنی کے باوجود سوسیئر کے نشانیات کے تصور سے باہر نہیں نکل سکی پس ساختیات کے حوالے سے رولاں بارتھ کا ذکر جس نے مصنف کے بجائے قاری پر زور دیا جو آگے چل کر قاری اساس تنقید کی بنیاد بنا جس میں مشل فوکو، لاکاں وغیرہ۔ ان سب میں باہمی اختلافات ہیں اتفاق صرف تخلیق کی کثرت معنی پر ہے۔

اس کے بعد مابعد جدیدیت کا ذکر ملتا ہے جس کے بارے میں مصنف کا خیال ہے "سب سے اہم اور رائج الوقت نظریہ مابعد جدیدیت کا ہے جو ان سب نظریات کا نظریہ ہے یعنی سب کچھ جو الگ الگ زیر بحث آیا مابعد جدیدیت کی بنیاد میں شامل ہے" (ص ۱۹)۔ اور یہ بھی جس کے بنیاد گزار نہیں مانتے وہ اسے صورت حال (Condition) قرار دیتے ہیں اس کے بعد اس کے تاریخی و تفصیلی اشارے کہ جس میں مصوری، فن تعمیر، کلچر اور معاصر صورت وغیرہ شامل ہوئے اردو میں اس کی ابتدا پروفیسر نارنگ کرتے ہیں۔ اس لیے ان کی مثالیں اور وضاحتیں ہیں۔ شارب صاحب یہ بھی نتیجہ نکالتے ہیں: "مابعد جدیدیت کی تعریف سے ایک بات ضرور واضح ہو جاتی ہے کہ اس کا بنیادی تعلق فنون سے ہے مثلاً آرٹ، رقص، تھیٹر، موسیقی وغیرہ جس میں ادب بھی شامل ہے اس کے سروکار معنی کے بے کراں ہونے اور کسی دی ہوئی لیک کو رد کرنا ہے" (ص ۲۱)۔ پھر بھی وہ یہ کہتے ہیں کہ اردو میں یہ بحث ابھی تک کسی نتیجے پر نہیں پہنچی ہے سب کی الگ الگ رائیں ہیں، تاہم ان کا خیال ہے کہ مابعد جدیدیت خصوصی معنی سے انحراف اور تکثیر معنی کا اعتراف ہے۔ جہاں تک مسئلہ تعارف اور وضاحت کا

(بقیہ صفحہ ۶ پر)

مدیر: اطہر فاروقی
Editor: Ather Farouqui
شریک مدیر: محمد عارف خاں
Joint Editor: Mohd. Arif Khan
پرنٹر، پبلشر: عبدالباری
Printer, Publisher: Abdul Bari
مطبوعہ ثمر آفسیٹ پرنٹنگ پریس، دہلی
Printed at: Samar Offset Printing Press, Delhi
مالک: انجمن ترقی اردو (ہند)، اردو گھر، ۲۱۲، راؤز ایونیو، نئی دہلی-۱۱۰۰۰۲
Proprietor: Anjuman Taraqqi Urdu (Hind)
Urdu Ghar, 212-Rouse Avenue, New Delhi-110002
قیمت (فی شمارہ): تین روپے، سالانہ: ۱۲۵ روپے (بیرونی ممالک: آٹھ امریکی ڈالر)
Subscription: (Per Issue): Rs. 3/-, Yearly: 125/-
(Foreign Countries: US $ 8)
http://www.atuh.org. Phones: 23237212, 23237214